© rasailojaraid.com

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

اسلام کی جامعیت اور علماء کی ذمہ داریاں

دنیا کے تمام مذہبوں میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو علم کے ساتھ مبعوث ہوا۔ اور جو حکمت دے کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے نزدیک نسل انسانی کا آغاز ہی علم سے ہوا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ آدم علیہ السلام کے سر پر کرامت کا تاج رکھا گیا ہے۔

''ولقد کرمنا بنی آدم'' کی موروثی عزت ''وعلم آدم الاسماء کلھا'' پر تو ہے، ہم کو وہ رسول عنایت کیا گیا جس کی شان یہ ہے یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ ہم کو وحی مرحمت ہوئی جس کا آغاز

اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

سے ہوا۔ وہ عرب جن کی نادانی اور جہالت ضرب المثل تھی۔ وہ اس دین کو پا کر علم وحکمت کے سرمایہ دار اور اسرار ورموز الٰہی کے امانت دار ہوگئے۔ کہ وہ قریش جن میں مؤرخ بلاذری کے بیان کے مطابق بعثتِ نبوی کے وقت صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اسلام کی روشنی سے پر نور ہو کر ساری دنیا کے استاذ اور معلم ہوگئے۔

اسلام عرب کے ریگستان سے نکل کر دنیا کے جس حصہ میں پہنچا۔ اس کو علم کی روشنی سے منور کر دیا، مصر، شام، عراق، ایران، خراسان، افریقہ، مغرب، اسپین ان سب میں علم کی بہاریں آئیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین عظام رحمھم اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے علم کا جو خزانہ پایا تھا اس کو ربع مسکون میں بانٹا۔ آج انہیں کی کوششوں کا صدقہ ہے کہ سرزمین عرب سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر ہمارے علماء علم وعرفان کی دولت تقسیم کر رہے ہیں۔

مدینہ کی چھوٹی سی مسجد جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے، اسلام کی پہلی درس گاہ ہے۔ وہی حق کی عبادت کا مقام اور علم کی اشاعت کا مرکز تھی۔ جہاں جہاں بھی مسلمان پھیلے، ان کی عبادت گاہیں ہی علم کی درس گاہیں بنیں۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی میں خراسان میں مدرسوں کے نام سے الگ عمارتوں کے بننے کا رواج ہوا، جہاں تک ضرورتوں کا تعلق ہے یہ علیحدگی تمدن کی وسعت کا لازمی نتیجہ تھی لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے اس کو نہ بھولنا چاہیے کہ ہماری عبادت گاہ ہی ہماری درس گاہ ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ ہمارا علم ہماری عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے جس طرح ہماری عبادت صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیے، اسی طرح ہمارا علم بھی اللہ کے لئے ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اسلام میں علم کی غرض وغایت نہ تو نوکری اور خدمت ہے اور نہ امتیاز وشہرت ہے، نہ ذریعہ رزق اور دنیا طلبی ہے، بلکہ اس سے مقصود صرف اللہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معرفت اور اس کے احکام و شرائع سے واقفیت ہے اور اس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی کی راہ لی ہے۔ اس لئے ہر وہ شخص جس کے علم کی غرض و غایت یہ نہیں وہ سچا عالم بھی نہیں۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو بیان کرتے ہوئے ان پر غشی طاری ہو جاتی تھی کہ:

"اللہ تبارک وتعالی جب قیامت کے دن علماء سے پوچھے گا کہ تم نے علم پڑھ کر کیا کیا؟ اور وہ جواب دیں گے۔ اس پر وہ اللہ تعالی ارشاد فرمائے گا کہ تم نے تو علم اس لئے پڑھا تھا کہ تم کو عالم کہا جائے، تم کو دنیا میں عالم کہا جا چکا اور تم اپنی مزدوری پا چکے"

احادیث میں علمائے سو کی جو برائیاں آئی ہیں۔ ان سے آپ میں سے کون واقف نہیں ہر قدم پر ہم کو اور آپ کو اللہ تعالی کی پناہ مانگنی چاہیے کہ وہ ان برائیوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اس تمثیل **مثل الذین یحملوا التوراۃ ثم لم یحملوا ھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً** کا مصداق نہ بنائے۔ **وتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب** ہمارا شیوہ نہ ہو، ایک عالم دین کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ اس کا رشتہ مستحکم ہو۔ اس کے علم و عمل کا ہر قدم اللہ کے لئے اٹھے۔ اس کی سعی و کوشش کی ہر حرکت کا مرکز اللہ کی رضا و خوشنودی کی طلب ہو، اس کا علم پہلے اس کے لئے ہو، پھر دوسروں کے لئے اتعظ ثم عظ کا موقع اس کے سامنے ہو۔ جس کا معاملہ اللہ کے ساتھ درست نہیں، جس کا عمل اخلاص پر نہیں، اس کے لئے خیر و برکت نہیں۔

علماء سلف کی زندگیاں کم و بیش ہماری زندگیوں سے بڑی نہ تھیں، لیکن اس تھوڑی سی زندگی میں انہوں نے جو بڑے بڑے کام انجام دیئے جو ضخیم تصنیفات یادگار چھوڑیں، اپنے شاگردوں اور مستفیضوں کا جو وسیع حلقہ تیار کر لیا، وہ تاریخ کے اوراق میں حیرت کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔

ابن جوزی کی تصنیفات کا ان کی زندگی کے ایام پر حساب لگایا جائے تو اوسطاً چھ صفحے روزانہ ہوتے ہیں۔

امام رازی کی کوئی اور کتاب نہ ہوتی صرف تفسیر کبیر ہی اگر تصنیف ہوتی تو ان کی زندگی کی ایک بڑی دینی و علمی خدمت ہوتی۔ لیکن ان تصنیفات کے ہزاروں صفحے اس کے علاوہ ہیں جو اس حالت میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جب دنیائے اسلام تاتاریوں کے حملے سے زیروزبر ہو رہی تھی۔ امام مالک کے تلامذہ کے حلقہ میں ایشیاء افریقہ اور یورپ تین براعظم کے باشندے داخل ہیں۔ امام بخاری کے ایک شاگرد فربری کے تقریباً نوے ہزار شاگرد تھے۔ یہ چند مثالیں جن سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ان بزرگوں کے کاموں کی وسعت ان کے حسن نیت کا صدقہ تھی۔ آج بھی ہماری کامیابی کا وہی ذریعہ اور طریقہ ہے جو پہلے تھا۔ امام مالک کا قول یہ بھولنے کے قابل نہیں کہ: **لا یُصلِح آخر ھذہ الامتۃ الابما صلح بہ اولھا**

ہمارے یہاں علماء میں جب علم جنگ و جدل اور مناظرہ اور مباحثے کے لئے رہ گیا، اور سلاطین سلجوقیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے زمانے میں فقہا نے اس کو حصولِ خدمت اور شاہانہ درباروں میں طلب عزت کا ذریعہ بنایا تو جو حالت ہوئی اس کا ماتم امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں جس طرح کیا ہے وہ آج بھی ہمارے لئے عبرت کا سامان ہے۔

بغداد میں حنابلہ اور اشاعرہ کی خونی معرکہ آرائیاں اور سلجوقیوں کی حکومت میں اشاعرہ اور معتزلہ کی باہمی آویزش کے تلخ نتیجے بھولنے کے لائق نہیں۔ پہلے واقعہ نے بغداد کی تباہی کا سان دکھایا اور دوسرے واقعہ نے الموت میں باطنیہ کی صد سالہ قوت کا مسالہ فراہم کیا، خود ہمارے اس ملک میں اسلامی حکومت کے ذریعہ سے لے کر آج تک علماء نے فرقہ واری کے اصول پر احقاقِ حق اور ردّ باطل کے جو طریقے اختیار کئے ان کے جو نتیجے سامنے آئے وہ کس سے چھُپے ہیں۔ اہل حق میں سے علماء اہل حدیث اور علماء احناف کے مناظرے جادۂ حق سے ہٹ کر جس جس طرح مقدمہ بازی تک پہنچے۔ ان پر افسوس کس کو نہیں آتا۔ ان افسوسناک جھگڑوں نے امت مسلمہ کے شیرازہ کو جس طرح منتشر کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور متفرق فرقوں میں اس طرح بٹ گئے ہیں کہ اصل دین کی حرمت سے سب غافل ہیں اور اس حماقت میں مبتلا ہیں کہ شاخوں پر پانی دینے سے جڑیں مضبوط ہوں گی۔

خصوصاً موجودہ حالات میں ہمارے علماء کو اس غلطی سے ہوشیار ہونا چاہیے اور فرقہ واری کے تنگ دائرہ سے نکل کر اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں مصروف ہونا چاہیے۔

آج ہمارے جو فقہی اختلافات ہیں۔ وہ کم و بیش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ ایک کی نظر میں کوئی پہلو قوی ہے اور دوسرے کی نظر میں کوئی دوسرا۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ان اختلافات کے باوجود انما المؤمنون اخوۃ کی مثال اور کانھم بنیان مرصوص کا نمونہ تھے تو کیا وجہ ہے کہ آج بھی ہم ان کی پیروی میں اپنے اپنے تحقیقی اختلافات کے ساتھ گھُل مِل کر مسلمانوں کی ایک متحدہ جماعت نہ بن سکیں اور ھُوَ سَمّٰکُمُ المُسلِمِین کے تنہا خطاب سے اپنے آپ کو مخاطب نہ کریں۔

آج زمانہ کے خیالات اور دنیا کے واقعات میں اس تیزی کے ساتھ تبدیلی ہو رہی ہے۔ کہ ان کے جانے اور سمجھے بغیر آپ مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ دنیا میں سیاسی اور اقتصادی خیالات ایسے چھائے ہوئے ہیں اور انقلاب کی گھڑیاں اس طرح پے درپے آرہی ہیں اور گزر رہی ہیں کہ ایک عالم دین کے لئے جس کو مسلمانوں کا خدمت گزار ہونا ہے ان کو سمجھنا اور ان کے حل کرنے کی تدبیر سوچنا ضروری ہے۔

صرف اعراض اور تغافل سے ان وقتوں کو آپ حل نہیں کر سکتے، صرف آپ کے توجہ نہ کرنے سے نہ دنیا اپنے قاعدہ کو بدل سکتی ہے، اور نہ زمانہ اپنے رخ کو پلٹ دے سکتا ہے۔ مشکلات کا مقابلہ کرنا، اور موجودہ جدوجہد میں مناسب حصہ لینا اور ملک و قوم کی زندگی میں مسلمانوں کے لئے مناسب مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی ایک عالم دین کا فرض ہے۔

اسلام وہ مذہب ہے کہ جس دن وہ دین بنا اسی دن وہ سیاست بھی تھا۔ اس کا منبر اس کا تخت، اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسجد اس کی عدالت، اور اس کی توحید- نمرودوں، فرعونوں، قیصروں اور کسراؤں کی شہنشاہی کے مٹانے کا پیغام تھی- صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی پوری زندگیاں ان مرقعوں سے بھری ہیں اور وہی اسلام کی سچی تصویریں ہیں، اور جب تک علماء علماء رہے وہی ان کا اسوہ تھا-

آج جب ہم نئے سرے سے اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں- اور پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت ہے کہ ہم اسی نقش قدم پر چلیں جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے چھوڑا ہے-

آج کل ہمارے علماء کا کام صرف پڑھنا پڑھانا، مسئلے بتانا، اور فتوے لکھنا سمجھا جاتا ہے، لیکن اب وقت ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پچھلے سبق کو پھر دہرائیں اور دیکھیں کہ ان کا کام صرف علم و نظر تک محدود نہیں بلکہ سعی و عمل اور جدوجہد اور عملی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک بہت بڑا فرض ہے- ہر آبادی جہاں وہ رہیں وہ ان کی سعی و خدمت سے آباد رہے- وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، وہاں کے نادانوں کو سمجھانا، وہاں کے غریبوں کی امداد کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا،، ان کو دنیا کی ضرورتوں سے باخبر رکھنا، ضرورت کے ہر موقع پر آگے بڑھنا اور اپنے علم و عمل کی ہر کوشش سے ان کو فائدہ پہنچانا، ایک عالم دین کے فرائض ہیں-

یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کو اپنے دین کی باتوں سے واقفیت کے لئے بہت بڑے عالم، علم و فضل کی ضرورت نہیں- عقیدہ اور عبادت اور دوسری مذہبی نیکیوں کے لئے دین کا معمولی علم کافی ہے- یعنی ہر مسلمان کو بجائے خود بڑا عالم ہونا ضروری نہیں- لیکن اس سے ایک منٹ کے لئے بھی پہلو تہی نہیں کی جاسکتی کہ ان کو اپنی دینی و دنیاوی بھلائی کے لئے ہر وقت عمل کے واسطے کمر بستہ ہونا ضروری ہے، آج دنیا لڑائی کا میدان ہے، جو بھی سستی سے اپنی جگہ کھڑا رہے گا، وہ گر جائے گا- اسی لئے علمی قوت سے زیادہ آج عملی قوت کی سرگرمی کی ضرورت ہے- علم، خیر و شر کی تمیز بتانے کے لئے ضروری ہے، لیکن محض خیر و شر کی تمیز سے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے- جب تک جو خیر ہے، اس کی طلب اور جو شر ہے، اس سے پرہیز آپ کا شیوہ نہ ہو-

ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں میں دنیا کی بہتات تھی دولت کی کثرت تھی- تجارت کا فروغ تھا- حکومت اور سلطنت ان کے ہاتھوں میں تھی- اس وقت کے علماء نے اپنی حکمت ربانی سے یہ صحیح سمجھا کہ مسلمانوں کا دولت میں انہماک، کسب زر میں زیادہ مشغولیت اور حکومت اور سلطنت میں استغراق ان کے دین کے لئے مضر ہے- اس لئے اس وقت انہوں نے ترک دنیا اور زہد وقناعت کا برمحل وعظ فرمایا- لیکن اب جب کہ حالت پلٹ گئی ہے، فقر وفاقہ چھا گیا ہے، مفلسی ان کے لئے فتنہ کا سامان ہے، دولت ان سے جاچکی ہے، تجارت ان سے رخصت ہوچکی ہے اور سلطنت و حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے واعظ اور ہمارے عالم اپنی تقریروں کا رخ پھیریں اور اپنے مواعظ کا موضوع سخن بدلیں- تاکہ مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا ہو اور ان میں زمانے کے مقابلے کا حوصلہ آئے اور محنت اور سعی و جانفشانی سے اپنے لئے دنیا میں وہ پوزیشن حاصل کریں جو دنیا کے آخری مذہب کے پیروؤں کا حق ہے-

© rasailojaraid.com